زکوٰۃ دنیا کی سب سے پہلی اجتماعی خود کفالت

از۔ سید اسعد گیلانی

دنیا میں سب سے پہلے اسلام نے غربا، مساکین اور محرومین کی کفالت کے بارے میں ایک اجتماعی اسکیم تیار کی اور اسے ایک عبادت بنا کر نافذ کیا۔ دین اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے اسے ایک رکن بنایا۔ اسے ادا کرنا ہر صاحب نصاب فرد معاشرہ پر لازم کیا اور خلیفۂ راشد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل کے مطابق جو اس کی ادائیگی سے انکار کرے اسکے خلاف اسلامی حکومت کو جہاد کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ غرباء اور مساکین کا یہ حق جو معاشرے کے متمول اور صاحب ثروت افراد کے ذمے خود خدا کی طرف سے عائد کیا گیا ہے، اس سے سرتابی کی کسی شخص کو جرات نہ ہو۔ بقول علامہ اقبالؒ اسلام وہ دین ہے جس میں غربا امراء پر ٹیکس عائد کرتے ہیں اور یہ کوئی بھیک اور خیرات نہیں ہے بلکہ غربا مساکین اور محرومین کا حق ہے جو امراء کے ذمے ہے اور جب تک امراء اس حق کو ادا نہ کریں وہ خدا اور رسول اور تمام غربا اور مساکین کے مقروض ہیں۔

اسلام کا یہ رکن واضح طور پر ایک اجتماعی فریضہ ہے اور اسلام کے اقتصادی نظام میں زکوٰۃ کی حیثیت مرکزی اور محوری ہے اس کو نظر انداز کر کے اسلام کے اقتصادی نظام کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔

زکوٰۃ مسلمانوں کے مال پر خدا اور رسول اور غریب مسلمانوں کی طرف سے عائد ہونے والا ایک اجتماعی حق ہے۔ ایک پہلو سے یہ عبادت ہے اس لیے کہ یہ ارکان اسلام میں سے ہے اور ارکان اسلام سب عبادات ہیں۔ اور دوسرے اعتبار سے یہ اجتماعی ٹیکس

یا اجتماعی فریضہ ہے جو غریب مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ان کی اجتماعی کفالت کا ذریعہ ہے۔ غربا کی اجتماعی کفالت ایک ایسا فریضہ ہے جس میں پورے معاشرے کو مجتمع ہو کر شریک ہونا چاہیئے۔ اس کا تصور صرف اسلام نے دیا ہے اس لیے کہ اگر کسی معاشرے کے اندر غربا اور مساکین کی ایک خاص تعداد موجود ہو جو اپنی روزمرّہ کی ضروریات پوری کرنے سے بھی قاصر ہو جو سیدھی سادی جسمانی ضروریات ہیں تو وہ معاشرے کے روحانی ارتقاء میں کوئی حصّہ نہیں لے سکتے جس کے نتیجے میں وہ معاشرہ صرف حیوانی ضروریات کی فراہمی کے لیے باہمی کشمکش کرنے والا خالص مادی اور حیوانی معاشرہ بن کر رہ جاتا ہے۔ اور انسان احسن تقویم کے اس مقام سے گر جاتا ہے جو منشائے تخلیق انسانیت ہے۔ اس لیے اسلام کے مخصوص مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے ہم زکوٰۃ کو ایک عبادتی اجتماعی فریضہ قرار دیں گے۔ زکوٰۃ کا نام اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس کے معنی میں طہارت اور ضمیر کی پاکیزگی پوشیدہ ہے جو زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد ادا کرنے والے کو حاصل ہوتی ہے۔ یہ گویا قلب کی اس صفائی کا نام ہے جو حبّ ذات اور حرص و بخل سے بلند و بے نیاز ہو جانے پر انسان کو میسر آتی ہے۔ مال تو ہر ایک کو عزیز ہوتا ہے۔ اور اپنی ملکیت ہر ایک کو محبوب ہوتی ہے۔ لیکن انسان اگر یہ مال دوسروں کی خاطر صرف کر دے تو اسے پاکیزگی نفس اور طہارت ضمیر حاصل ہوتی ہے۔ اس میں اس کی عبادت مضمر ہے۔ زکوٰۃ مال کی وہ پاکیزگی ہے جو حق مال ادا کرنے اور اس طرح حلال قرار پا جانے کے بعد اسے حاصل ہوتی ہے۔ زکوٰۃ کا یہی عبادتی پہلو ہے جس کے سبب اسلام کے لطیف احساس نے یہ گوارا نہ کیا کہ اہل ذمہ اور اہل کتاب سے اس عبادت کی ادائیگی کا مطالبہ کرے۔ چنانچہ اس نے اس کے عوض ان پر جزیہ عائد کیا تاکہ وہ اس کے ذریعہ ریاست کے عام اخراجات میں شریک ہو سکیں۔ اور جبراً کسی اسلامی عبادت کے پابند نہ قرار دیے جائیں زکوٰۃ سماج کا ایک حق ہے۔ جو فرد پر واجب ہوتا ہے تاکہ ضرورت مند طبقوں کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ اور ناگزیر ضروریات کے علاوہ کبھی انہیں کچھ سامان زندگی فراہم کیا جا سکے۔ اس طرح اسلام کسی حد تک اپنے اس اصول کو عملی جامہ پہناتا ہے جو آیت کریمہ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ میں بیان ہوا ہے

اسلام کو انسانوں کا فقر و احتیاج میں مبتلا رہنا بالکل گوارا نہیں ہے اس نے یہ اصول طے کر دیا ہے کہ فرد اگر استطاعت رکھتا ہو تو اپنی قوت بازو کے بل پر اپنی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام کرے اور اگر وہ کسی عذر سے ایسا نہ کر سکتا ہو تو اسے سماج کے مال میں سے کفالت دیا جائے۔ معذوری کی صورت میں معاشرے کے ذمے اس کا حق کفالت ہے۔

اسلام کو انسان کا فقر و احتیاج میں مبتلا رہنا کیوں گوارا نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ چاہتا ہے کہ انسان کو اس کی مادی ضروریات سے فارغ کر کے ان بلند تر مقامات و منازل کی طرف توجہ کرنے کا موقع فراہم کرے، جو مقام انسانیت اور اس خصوصی شرف و امتیاز کے شایان شان ہیں۔ جو اللہ نے بنی آدم کو عطا فرمایا ہے۔

"ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور ان کو خشکی و تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔" (بنی اسرائیل ۷۰)

اللہ نے انسانوں کو یہ بزرگی عقل و جذبات اور جسمانی ضروریات سے بلند تر مقاصد کی طرف روحانی میلانات دے کر عملاً عطا کر دی ہے اب اگر انسانوں کو ضروری سامان زندگی اس قدر بھی میسر نہ ہو کہ انہیں ان روحانی میلانات اور فکری بلند پروازیوں کے لیے کچھ وقت مل سکے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ان کی یہ بزرگی ان سے چھین لی گئی اور وہ جانوروں کے مقام پر واپس چلے گئے بلکہ اس سے بھی نیچے۔ کیوں کہ جانوروں کو تو عموماً کھانے پینے کو مل جاتا ہے بہت سے جانور مست ہو کر کلیلیں کرتے پھرتے ہیں اور کتنی ہی چڑیاں پیٹ بھر لینے کے بعد زندگی کی رعنائیوں پر خوشیاں مناتی اور چہچہاتی پھرتی ہیں پھر انسان اس سے محروم کیوں ہو؟ ایسا شخص جسے اپنے کھانے پینے کی فکر ہی اتنا مشغول رکھے وہ کسی بلند مقام انسان کے شایان شان افکار و تصورات کیسے رکھ سکتا ہے۔ اگر اسے اتنی فرصت بھی میسر نہ ہو جتنا چرند و پرند کو حاصل ہوتی ہے تو وہ نہ تو انسان کہلانے کا مستحق ہے اور نہ اللہ کے نزدیک شرف امتیاز کا حامل۔ غرض یہ صورت حال کہ آدمی اپنا سارا وقت صرف کر دینے اور ہر ممکن کوشش کر لینے کے باوجود بقدر کفایت و کفالت روزی نہ حاصل کر سکے اس کے حق میں زہر قاتل ہے یہ

صورت حال اسے اس مقام سے بہت نیچے گرا دیتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے پسند فرمایا ہے یہ صورت حال اس معاشرے کے حق میں بھی مہلک ہے جس کے افراد اس صورت حال میں مبتلا ہوں۔ ایسا معاشرہ ایک پست معاشرہ ہے جو اللہ کی طرف سے ملنے والی عزت و بزرگی کا مستحق نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس نے ارادۂ الٰہی کی خلاف ورزی کی ہے اور انسان کو احسن تقویم کے مقام سے اسفل السافلین میں گرا دیا ہے۔

انسان کو اللہ نے منصب نیابت عطا فرمایا ہے تاکہ وہ اس زمین پر زندگی کی شادابی اور حسن سے لطف اندوز ہو کر ان ساری نعمتوں پر اللہ کا شکر بجا لائے۔ جو اللہ کی عطا کردہ ہیں لیکن اگر کسی انسان کی پوری زندگی بس روٹی کی نذر ہی ہو جائے تو وہ ان بلند مقاصد کو کبھی حاصل نہ کر سکے گا۔ جن مقاصد کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

اسلام کو یہ بات بہت ناپسند ہے کہ امت مسلمہ کے مختلف افراد کے درمیان اتنا تفاوت پایا جائے۔ کہ کچھ لوگ تو عیش و عشرت کی زندگی گزاریں اور دوسرے لوگ خستہ حال اور پریشان ہوں۔ اور یہ خستہ حالی مفلسی۔ فاقہ کشی اور کپڑوں کے بغیر ننگے رہنے کی حد تک جا پہنچے۔ ایسی قوم مسلمان نہیں کہی جا سکتی۔ اللہ کا رسول فرماتا ہے۔

"جس بستی میں کسی شخص نے اس حال میں صبح کی کہ وہ رات بھر بھوکا رہا اس بستی سے اللہ کی حفاظت و نگرانی کا وعدہ ختم ہو جاتا ہے"۔ (مسند امام احمد)

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ۔

تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک معتبر نہیں جب تک وہ جو کچھ اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی کے لیے بھی نہ پسند کرے۔ (متفق علیہ)

اسلام امت کے مختلف افراد کے درمیان اتنے زیادہ تفاوت کو کیوں نہیں پسند کرتا؟ اس کا جواب حسد و کینہ کے ان خطرناک جذبات میں مضمر ہے جو طبقاتی احساس کے نتیجے میں معاشرے کی بنیادیں ہلا دیتے ہیں۔ اس کا جواب اس بے جا امتیاز، حق تلفی، اور سنگ دلی میں پوشیدہ ہے جو قلب و ضمیر کو آلودہ کر دیتے ہیں۔ اتنا تفاوت ہونے کا مطلب ضرورت مندوں کو چوری اور غصب کرنے یا عزت نفس اور خودداری سے ہاتھ دھو کر

انتہائی ذلت وخواری میں مبتلا ہو جانے پر مجبور کرتا ہے یہ انسانوں کو پستی کی طرف لے جانے والے عوامل میں سب سے بڑا سبب ہے۔ جن سے اسلام معاشرے کو بچائے رکھنا چاہتا ہے

اسلام نہیں چاہتا کہ دولت قوم کے مال دار افراد کے درمیان ہی گردش کرتی رہے اور عوام کی اکثریت کو خرچ کرنے کے لیے مال میسر نہ ہو کیوں کہ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوم کی زندگی ٹھٹھر کر رہ جاتی ہے اور روزگار اور آمدنی کی سطح گر جاتی ہے۔ اکثر لوگوں کے ہاتھوں میں مال ہوگا تو وہ اسے ضروریات زندگی کی خریداری میں خرچ کریںگے۔ اشیاء کی طلب بڑھے گی، پیداوار میں اضافہ ہوگا اور قابل کار افراد کے لیے مکمل روزگار حاصل ہو سکے گا اس طرح محنت، پیدائش دولت، اور صرف دولت کا عمل اپنے قدرتی انداز پر جاری رہ کر مفید نتائج سامنے لا سکے گا۔ دولت کی گردش میں ہی معاشرے کی اقتصادی صحت پوشیدہ ہے۔ یہی مقصد زکوٰۃ کا ہے۔ اسلام نے اسے ایک مالی فریضہ قرار دیا ہے۔ یہ محرومین اور مستحقین کا ایک قانونی حق ہے۔ یہ زکوٰۃ نکالنے والوں کا احسان نہیں ہے۔ بلکہ ان کے مال کے تحفظ کی ضمانت ہے۔ اس کا نصاب اس طرح مقرر کیا گیا ہے کہ سارے مال دار لوگ اس کی ادائیگی میں شریک ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ حد جس سے کم مال پر زکاۃ نہیں عائد ہوتی۔ صرف بیس مثقال سونا ہے۔ جو ہمارے سکہ میں تیس پاؤنڈ کے برابر ہے البتہ شرط یہ ہے کہ مالک مقروض نہ ہو۔ یہ رقم ضروریات کے علاوہ اس کے پاس فاضل بچ رہی ہو۔ اور اس پر پورا ایک سال گزر چکا ہو۔ ظاہر ہے کہ جو آدمی خود ہی زکاۃ کا مستحق ہو اس سے زکاۃ ادا کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔ عشر یا دوسرے الفاظ میں زرعی پیداوار اور پھلوں کی زکاۃ فصل کے موسم پر وصول کی جاتی ہے اور فصل تیار ہونے پر واجب ہو جاتی ہے سامان تجارت کی زکوٰۃ سونے یا چاندی میں اس کی جو قیمت آتی ہے، اس کے حساب سے لی جاتی ہے۔ مویشیوں کی زکاۃ کی شرطیں بھی مقرر ہیں اور ان میں وہی تناسب ملحوظ رکھا گیا ہے جو نقد سرمایہ کی زکاۃ میں پایا جاتا ہے (یعنی چالیسواں حصہ) یہی حال زکاۃ کی دوسری اقسام کا ہے۔

مستحقین زکاۃ اسلام نے معاشرے کے حاجتمند حضرات کو چن چن کر اس مال کا مستحق قرار دیا ہے۔ قرآن کریم کی صراحت کے بموجب ذیل زکاۃ کے مستحق یہ لوگ ہیں۔

۱۔ فقراء یہ وہ لوگ ہیں جو نصاب سے کم مال رکھتے ہیں۔ یا اگر صاحب نصاب ہیں تو اتنے مقروض ہیں کہ قرضہ وضع کرنے کے بعد صاحب نصاب نہیں رہ جاتے۔ اسلام چاہتا ہے کہ ہر فرد کو جہاں تک ممکن ہو سامان دنیا سے مستفید ہونے کی خاطر قدر کفایت سے کچھ زیادہ بھی حاصل ہو۔

۲۔ مساکین وہ لوگ جن کے پاس کچھ نہ ہو۔ قدرتی طور پر یہ لوگ فقراء سے زیادہ مستحق ہیں لیکن احکام مستحقین میں فقراء کے ذکر کو دوسروں پر مقدم رکھنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ فقراء کے پاس جو تھوڑا مال ہوتا ہے وہ کافی نہیں اور ان کا حال بھی گویا مساکین جیسا ہی ہوتا ہے اور ظاہر ہے اسلام بقدر ضرورت کفالت کی فراہمی پر قانع نہیں ہے وہ اس سے کچھ زیادہ فراہم کرنا چاہتا ہے۔

۳۔ عاملین زکاۃ یہ وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ کی تحصیل عمل میں لاتے ہیں ان کو ان کے کام کے معاوضہ کے طور پر جو کچھ دیا جاتا ہے۔ وہ ظاہر ہے کہ اسی مد میں سے ہوگا۔ خواہ یہ خود صاحب مال ہوں۔ گویا زکوٰۃ میں ان کا حصہ ایک طرح کی تنخواہ ہے اور اس کا تعلق نظام محنت و اجرت سے ہے۔ نہ کہ ضروریات کی تکمیل سے یہ کفالت نہیں ہے فراہمی زکاۃ کے فریضے اور ادائیگی کی کارکردگی کی اجرت ہے

۴۔ مؤلفۃ القلوب یہ وہ لوگ ہیں جو ابھی نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہوں ان کو مال دے کر ان کی ہمت افزائی کرنا اور نئے حالات میں ان کو سہارا دینا اور ان جیسے دوسرے لوگوں کو اسلام کی طرف لانا مقصود ہوتا ہے۔ اگرچہ حضرت ابوبکر رضؓ کے زمانے میں اس مصرف پر خرچ کرنا بند کر دیا گیا تھا لیکن چونکہ قرآن کی ایک آیت کی موجودگی میں حضرت عمر رضؓ اور دوسرے فقہاء اس سلسلہ میں تصرف کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے اس لیے

ضرورت کے مطابق یہ مد ہر دور میں استعمال کی جاسکتی ہے

۵۔گردنیں چھڑانے میں (قیدیوں اور غلاموں کی)

اس سے مراد ان مکاتب غلاموں کی مالی امداد ہے جو اپنے آقاؤں سے ایک متعین رقم کے عوض آزادی حاصل کر لینے کا معاہدہ کر لیں تاکہ وہ اپنا مقصد حاصل کر سکیں۔ قیدیوں کے لیے بھی یہ رقم صرف کی جاسکتی ہے اور بے گناہ قیدیوں کی رہائی یا انکے قرضوں کی ادائیگی کے کام اسکتی ہے

۶۔قرض دار

وہ لوگ جن کے اوپر انکی پونجی سے کہیں زیادہ قرض ہو ان کا قرض ادا کرنے میں مدد کرنے کے لیے البتہ شرط یہ ہے کہ وہ قرض کسی گناہ کے کام کے لیے نہ کیا گیا ہو مثلاً عیش پرستی وغیرہ۔ ان کو زکوٰۃ سے حصہ دینا ایک طرف تو قرض سے نجات کا ذریعہ بنے گا۔ دوسری طرف ان کو صاف ستھری باعزت زندگی بسر کرنے کا موقع مہیا کرے گا۔

۷۔فی سبیل اللہ

یہ ایک عام مد ہے جس کی عملی شکلیں حالات ہی متعین کر سکتے ہیں۔ مجاہدین کی تیاری، بیماروں کا علاج۔ جو لوگ خود سے تعلیم نہ حاصل کر سکتے ہوں، ان کی تعلیم کا بندوبست۔ غرض یہ کہ وہ سارے کام جو مصالح مسلمین کی خاطر مفید اور ضروری ہوں حتیٰ کہ تبلیغ دین اور اشاعت دین کے کام بھی اس مد کے تحت آجاتے ہیں۔

۸۔مسافر

وہ شخص جو غریب الوطنی کے باعث اپنے مال سے فائدہ نہ اٹھا سکتا ہو اور اس وقت اس کا ہاتھ خالی ہو۔ اس تعریف کے تحت آج کل کے مہاجرین بھی آجاتے ہیں۔ جو جنگ، غارت گری اور ظلم و جبر کے باعث بے گھر ہو جاتے ہیں۔ جو کچھ مال و دولت ان کے پاس تھا وہ وہیں چھوٹ جاتا ہے اور اب ان کے لیے اس سے استفادہ ممکن نہیں رہ جاتا واضح رہے کہ اسلام ان مستحقین کو زکوٰۃ میں سے حصہ پانے کا حق اسی وقت دیتا ہے جب کہ کسب مال کی کوشش کے باوجود ان کا کام نہ چلے۔ اس پالیسی کی وجہ یہ ہے کہ اسلام عزت نفس اور خودداری کو سب سے اہم چیز سمجھتا ہے اس لیے وہ اس کا اہتمام کرتا ہے کہ ہر فرد کو روزی کا ایک ایسا ذریعہ حاصل رہے جو اس کے اپنے اختیار میں ہو

اور جس کے سلسلہ میں وہ کسی کا بھی یہاں تک کہ معاشرے کا بھی، محتاج اور دست نگر بنتے پر مجبور نہ ہو۔ اسی لیے وہ لوگوں کو ترغیب دلاتا ہے کہ محنت کریں اور اس طرح مدد لینے سے مستغنی ہو جائیں۔ اسی لیے اس نے حکومت اور معاشرے کی اولین ذمہ داری یہ قرار دی ہے کہ ہر فرد کے لیے روزگار فراہم کرے۔ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگنے آیا۔ آپ نے اسے ایک درہم عنایت فرمایا کہ اس سے ایک رسی خرید لے۔ جنگل سے لکڑیاں چنے اور انہیں باندھ کر لے آئے اور اس طرح اپنی قوت بازو کی کمائی پر گذر بسر کرے۔

زکوٰۃ کی رقم سے دی جانے والی امداد آخری اجتماعی بچاؤ ہے۔ یہ درحقیقت ایسے افراد کے لیے معاشرتی تحفظ ہے جو باوجود کوشش کے کچھ نہ کما سکیں یا ضرورت سے کم یا بقدر ضرورت ہی حاصل کر سکیں۔ زکوٰۃ کے ذریعہ یہ مقصد بھی حاصل کیا جاتا ہے۔ کہ دولت تمام افراد معاشرہ کے درمیان گردش کرتی رہے تاکہ پیداوار۔ محنت اور صرف کے درمیان سرمایہ کی گردش موزوں طریقہ پر انجام پاتی رہے۔ اسلام بیک وقت معاملہ کے دونوں پہلوؤں کی رعایت ملحوظ رکھتا ہے ایک طرف تو اس کی یہ خواہش ہے کہ ہر فرد اپنی طاقت بھر کام کرے اور اجتماعی امداد کا سہارا لے کر بے کار وقت گزاری نہ کرے۔ اور دوسری طرف وہ اس بات کا لحاظ رکھتا ہے کہ ضرورت مند کو بقدر ضرورت مدد دے کر ضروریات حیات کا بوجھ اس کے سر سے ہلکا کر دیا جائے اور اسے ایک صاف ستھری اطمینان و سکون کی زندگی بسر کرنے کے مواقع فراہم کر دیے جائیں۔ ساتھ ہی وہ اسکے ذریعہ سرمایہ کے موزوں طریقہ پر گردش کرتے رہنے کا اہتمام بھی کرتا ہے تاکہ مال معاشرے کے ہر گوشے تک پہنچ سکے۔

اصل اہمیت اس نظام زکوٰۃ کے ڈھانچہ کو حاصل نہیں ہے بلکہ اہم چیز اس نظام کی خود کفالتی کی روح ہے۔ اسلام اپنی تلقین و ترغیب، اپنے قوانین اور اپنے اجتماعی ضوابط کے ذریعہ جو معاشرہ برپا کرتا ہے وہ اس نظام کے ڈھانچے اور اس کے طریقۂ نفاذ سے مزاجی مناسبت رکھتا ہے۔ وہ قوانین اور ترغیبات سے مل کر تکمیل پاتا ہے۔ اس میں کفالت باہمی باطن سے بھی جنم لیتی ہے اور ظاہری قوانین کے ذریعہ بھی عمل میں آتی ہے دونوں طریقے ایک دوسرے کی کمی پوری کرتے اور ہم آہنگ ہو جاتے ہیں کفالت باہمی کا یہ نظام جن بنیادی اصولوں پر

استوار ہوتا ہے وہ یہ ہیں :-

۱۔ انسان زمین پر خدا کا نائب اور خلیفہ ہے وہ خود کسی شے کا فی نفسہٖ مالک نہیں ہے اس لیے کہ وہ اس کا خالق نہیں ہے۔ دنیا کا نظام ملکیت درحصل نظام نیابت ہے اس لیے کہ زمین کے جملہ وسائل کا خالق اور مالک اللہ تعالٰے ہے اس لیے انسان پر لازم ہے کہ وہ خدا کی اس ملکیت میں خدا کی شریعت کے مطابق تصرف کرے اس شرط کی خلاف ورزی سے تصرف کا حق کالعدم ہوجاتا ہے اور نیابت کے معاہدہ کی خلاف ورزی ہوجاتی ہے۔

۲۔ یوں تو یہ نیابت عام ہے البتہ افراد کو ان کے عمل اور محنت کے عوض انفرادی ملکیت کا حق حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ حقیقی مالک اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے انہیں بعض متعین املاک کا مالک بنا دیا ہے۔ پھر ا[illegible] کو وہ [illegible] تحفظات عطا کرتا ہے جن کے نتیجے میں فرد کو اپنی روزی کی طرف اطمینان حاصل [illegible] اور وہ باعزت طریقہ پر زندگی گزار سکے۔ تاکہ وہ شریعت الٰہی [illegible] میں جدوجہد نگرانی اور احتساب کی وہ ذمہ داری بھی ادا کرسکے جو اس پر عائد کی گئی ہے۔

۳۔ امت مسلمہ کی زندگی کا بنیادی طریقہ انفرادی ملکیت کے اصول کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے کفالت باہمی ہے انفرادی ملکیت پر عائد ہونے والی جن ذمہ داریوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ اس اصول کفالت باہمی کا تقاضا ہیں ان حدود کو شریعت نے واضح کردیا ہے کفالت باہمی پر عمل کے لیے شریعت کی عائد کردہ پابندیاں اور ذمہ داریاں کافی ہیں۔

۴۔ اس نظام کے ذریعے اس سے کہیں زیادہ اور بہتر اجتماعی عدل قائم ہوتا ہے جتنا انسان کے وضع کردہ کسی دوسرے نظام کے ذریعہ ممکن ہے جن میں صحیح اور غلط دونوں طریقوں کی آمیزش ہوتی ہے۔

غرض جب ہم اسلام کے نظام زکوٰۃ کی خود کفالتی اسکیم کو دیکھتے ہیں تو اس سے ہمارے سامنے اسلام کا یہ منشا ہوتا ہے کہ انسانوں میں مال کی کمی کے سبب ذلت و رسوائی کا احساس اور زیادتی کے سبب غرور کبریائی کی رعونت نہ پیدا ہونے پائے اسلامی معاشرے میں یہ روح کارفرما ہے۔

- انسان ہونے کے ناطے سے سب انسان ایک ہی والدین کی اولاد ہیں۔
- مسلمان ہونے کے رشتے سے سب برابر اور بھائی ہیں۔
- مال کی کمی بیشی کسی ذاتی زوال و کمال کی دلیل نہیں بلکہ خدا کی تقسیم کردہ معیشت میں بندوں کا پرچۂ امتحانی ہے احساس ذمہ داری کا امتحان، اجتماعی اخوت کا امتحان، خدا کے بندوں تک ان کا گم شدہ حصۂ رزق پہنچانے کی دیانت کا امتحان اور یہ امتحان کہ کمی پر صبر کرنے والے اور بیشی پر شکر کرنے والے اور ان دونوں جذبوں کا حق ادا کرنے والے کون لوگ ہیں۔

غرض اسلام کا نظام زکوٰۃ طبقاتی احساسات مٹا کر اخوت و مساوات کا ماحول بناتا ہے۔ اس مساوات کے بہترین نمونے ہمارے سامنے دور اوّل کے آتے ہیں۔ رسول اکرمؐ نے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کی شادی جو قریش کے ہاشمی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں، اپنے آزاد کردہ غلام زید کے ساتھ کر دی۔ شادی ایک ایسا نازک مسئلہ ہے جس میں برابری کا سوال دوسرے سوالات سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ رسول اکرم کے سوا کسی دوسرے شخص یا دین اسلام کے سوا کسی دوسری قوت کے بس میں نہ تھا کہ ایسا معجزہ کر دکھائے جو آج بھی ممالک اسلامیہ کے سوا کہیں اور دیکھنا ممکن نہیں ہے۔ ممالک متحدہ امریکہ میں غلامی قانوناً ممنوع ہے لیکن کسی نیگرو کے لیے کسی گوری نسل کی عورت کے ساتھ خواہ وہ کتنی بھی گئی گزری ہو شادی کرنا آج بھی ممنوع ہے۔ یہی نہیں بلکہ نیگرو کا پبلک بسوں اور دوسری سواریوں میں گوروں کے پہلو میں بیٹھنا یا ان کے ساتھ ریستوران یا تھیٹر میں جانا یا کسی سرائے یا ہوٹل میں ٹھہرنا بھی آج تک ممنوع ہے۔

ہجرت کے اولین دور میں جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخاۃ کرائی تو ان کے آزاد کردہ غلام زیدؓ اور ان کے چچا حمزہؓ بھائی بھائی قرار دیے گئے اور حضرت خالد اور حضرت بلالؓ کے درمیان مواخاۃ ہوئی۔ یہ بھائی چارہ خونی رشتہ کے برابر تھا۔ جان و مال اور زندگی کے سارے ہی معاملات میں ان کے درمیان قرابتداری قائم ہو گئی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصل بحق ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ نے جیشِ اسامہ کی روانگی پہ اصرار کیا تو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کیے ہوئے کمانڈر کو ہی باقی رکھا آپ ان کو رخصت کرنے اس حال میں مدینہ کے باہر تک آئے کہ آئے اسامہؓ سواری پر تھے اور خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ پیدل چل رہے تھے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ کو یہ خیال آیا کہ ان کو حضرت عمرؓ کی ضرورت پڑے گی خصوصاً اب جب کہ خلافت کا بار ان کے کندھوں پر آن پڑا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ عمرؓ جیش اسامہؓ کے ایک سپاہی تھے چونکہ اس کے امیر اسامہؓ تھے لہٰذا ضروری تھا کہ ان سے اجازت حاصل کی جائے۔ چنانچہ خلیفۃ المسلمین نے کہا اگر آپ مناسب سمجھیں تو عمرؓ کو میری مدد کے لیے چھوڑ جائیں۔

اللہ اللہ یہ مقامات کتنے بلند ہیں۔ اتنے بلند کہ الفاظ ان تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔ اسلامی معاشرہ ایک ہمہ گیر اجتماعی عدل کا نظام ہے۔ اس میں معذور، ذی استطاعت اور غریب امیر سب کے درمیان باہمی تعاون موجود ہوتا ہے مسلمانوں کی تاریخ اس پر گواہ ہے۔

۱۔ اسلام لاتے وقت حضرت ابوبکرؓ کے پاس تجارتی کاروبار کی آمدنی سے چالیس ہزار درہم جمع تھے۔ اسلام کے بعد انہوں نے تجارت کے ذریعے کافی نفع کمایا۔ مگر جس دن انہوں نے اپنے رفیق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مدینہ کو ہجرت کی ہے اس دن ان کی پونجی میں سے صرف پانچ ہزار درہم باقی رہ گئے تھے۔ اپنا سارا سرمایہ وہ ان کمزور مسلمانوں کا فدیہ ادا کرنے میں صرف کر چکے تھے جو غلام تھے اور جنہیں اپنے آقاؤں کے ہاتھ ہر طرح کا عذاب سہنا ہوتا تھا۔ اس مال میں سے وہ فقرا اور مساکین کی امداد بھی کرتے تھے۔

خلافت سے قبل حضرت عثمانؓ کے پاس شام سے ایک تجارتی قافلہ آیا جو گیہوں روغن زیتون اور منقہ سے لدے ہوئے ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا۔ قحط کا زمانہ تھا بہت سے تاجر آپ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ لوگوں کی ضرورت مندی سے بخوبی واقف ہیں۔ یہ مال ہمارے ہاتھ فروخت کو دیجیے۔ آپ نے فرمایا۔ بڑی خوشی کے ساتھ یہ بتاؤ کہ مجھے قیمت خرید پر کتنا نفع دو گے تاجروں نے کہا کہ دوگنے دام لے لیجیے۔ آپ نے فرمایا لیکن مجھے تو اس سے زیادہ کی پیش کش کی جا چکی ہے وہ لوگ حیران ہو کر کہنے لگے۔ اے ابو عمرو۔ مدینے

کے سارے تاجر تو اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ کوئی دوسرا آدمی بھی ہم سے پہلے آپ سے نہیں ملا آخر یہ کون ہے۔ جس نے آپ کو یہ پیشکش کی ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ نے مجھے ایک کے دس دینے کا وعدہ کیا ہے۔ کیا تم اس سے زیادہ دے سکتے ہو۔ انہوں نے کہا: نہیں۔ عثمانؓ نے اللہ کو گواہ ٹھہرا کر اعلان کر دیا کہ اس قافلہ کا سارا مال اللہ کی راہ میں فقراء اور مساکین کے لیے صدقہ ہے۔

علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے گھر والوں کے پاس ایک دن ستو کی بنی ہوئی تین روٹیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہ روٹیاں انہوں نے ایک مسکین، ایک یتیم اور ایک قیدی کو صدقہ کو دیں۔ مسکین یتیم اور قیدی شکم سیر ہو گئے اور یہ خود فاقہ کر کے سو رہے۔

حضرت حسینؓ پر قرض کا بار بہت بڑھ گیا تھا۔ ایک چشمہ آپ کی ملک تھا۔ جسے فروخت کر کے آپ قرض اتار سکتے تھے لیکن آپ اس لیے اسے نہیں فروخت کرتے تھے کہ اس سے غریب مسلمان سینچائی کا کام لیتے تھے مدینہ میں انصار نے مہاجرین کو اپنے مال اور مکان سرچیز میں شریک ٹھہرالیا۔ ان کو اپنا بھائی بنا لیا۔ ان کی طرف سے دیت ادا کی۔ ان کے قیدیوں کا فدیہ دیا غرض یہ کہ ان کو بالکل اپنا بنا لیا۔

حضرت عمرؓ فاروقؓ نے بیت المال سے بچوں، بوڑھوں اور بیماروں کے لیے وظائف مقرر کیے۔ یہ وظائف زکوٰۃ کے معروف مصارف کے علاوہ تھے اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایسا اس دور کے لیے سماجی تحفظ کا نظام قرار دیا جا سکتا ہے۔ آپ نے قحط کے دوران چوری کی سزا معطل کر دی تھی۔ کیونکہ اس بات کا شبہ موجود تھا۔ کہ چوری پر بھوک نے مجبور کر دیا ہو۔ اسلام میں شبہ کی بنا پر حدود ٹال دی جاتی ہیں ظاہر ہے کہ یہ واقعہ اجتماعی کفالت کی عملی مثالوں میں ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔

ایک صحابی کے غلاموں نے ایک آدمی کی اونٹنی چرالی۔ ان کے اعتراف پر حضرت عمر نے ان کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا لیکن جب ہاتھ کاٹنے کے لیے ان کو لے کر چلے تو آپؓ نے ان کو روک لیا۔ اور صحابی سے فرمایا سنو۔ خدا کی قسم اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ تم ان غلاموں سے کام تو خوب لیتے ہو۔ لیکن انہیں بھوکا رکھتے ہو۔ اور وہ اس حال کو پہنچ گئے ہیں کہ

جس میں کوئی شخص حرام کھالے تو بھی اس کیلئے جائز ہو۔ پھر آپ نے اس صحابی سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ خدا کی قسم میں ان کا ہاتھ نہیں کاٹوں گا۔ مگر تیرے اوپر تاوان عائد کروں گا۔ پھر آپ نے اونٹنی کے مالک سے اس کے دام معلوم کیے۔ اس نے کہا چار سو درہم حضرت عمر فاروقؓ نے صحابی سے کہا۔ جاؤ اور اسے آٹھ سو ادا کر دو" اور پھر آپ نے چوری کے مجرم غلاموں کو سزا معاف کر دی۔ کیوں کہ ان کے آقا نے انہیں بھوکا رکھ کر چوری کرنے پر مجبور کر دیا تھا اور وہ محتاج ہو گئے تھے۔

اسلام کی تاریخ میں اجتماعی کفالت کی شان کو جو چیز دوبالا کرتی ہے وہ اس کا اسلامی دائرہ سے نکل کر پوری انسانیت کے لیے عام ہونا ہے۔ حضرت عمر نے ایک بوڑھے نابینا کو ایک دروازے پر بھیک مانگتے دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ یہودی ہے آپ نے اس سے پوچھا۔ تمہیں کسی چیز نے اس حالت تک پہنچا دیا۔ اس نے جواب دیا جزیہ ضرورت اور بڑھاپا حضرت عمرؓ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور اتنا کچھ دیا جو اس کی ضروریات کے لیے بہت کافی تھا۔ پھر آپ نے بیت المال کے خزانچی کو کہلا بھیجا اس شخص اور اس جیسے دوسرے اشخاص کی طرف توجہ کی جائے۔ خدا تعالیٰ کی قسم یہ انصاف کی بات نہیں ہے کہ ہم اس کی جوانی (کی کمائی) کھائیں اور بڑھاپے میں اسے دھتکار دیں زکوٰۃ فقرا اور مساکین کے لیے ہے اور یہ اہل کتاب کے مساکین میں سے ہے۔ آپ نے اس فرد اور اس جیسے دوسرے افراد کو جزیہ سے بری قرار دے دیا۔ اور ان کا وظیفہ مقرر کرایا غرض یہ کہ خود کفالتی کی یہ اسکیم ایسی تھی جس نے انسانیت کو بلند مقام پر پہنچا دیا اسلام نے سماجی تحفظ کو ایک انسانی حق قرار دے دیا جو کسی مخصوص مذہب یا فرقہ کے ساتھ بھی مشروط نہ تھا۔ خود کفالتی کے اس عمل پر اس بات کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا۔ کہ محتاج کا عقیدہ کیا ہے۔ اور وہ کسی شریعت کا پابند ہے۔ یہ وہ مقام بلند ہے جس کی طرف اقدام میں آج انسانیت کے قدم تھک چکے ہیں اور وہ اب بھی اس سے بہت دور ہے۔ انسانیت کو اس مقام تک صرف اسلام ہی پہنچا سکتا ہے۔